ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

پاکستان میں خواتین کی خود مختاری اور فیمنسٹ فلسفہ: تاریخی مطالعہ

Women's Empowerment and Feminist Jurisprudence in Pakistan: A Historical Study

***Bilal Hussain**
Research Investigator Law, Department of Law, Council of Islamic Ideology, Islamabad
****Dr. Kulsoom Fatima**
Assistant Professor, Department of Mechanical Engineering, National University of Sciences and Technology (NUST)
*****Dr. Abbas Ali**
Researcher, Department of Islamic Studies, GIFT University, Gujranwala

ABSTRACT
In the contemporary world, women are placed in a very prominent position in human society. Social history has given many new approaches to analyze the oppression and inequalities against women. Feminist ideology was introduced to ensure gender equality in social, political, economic, religious, educational, and professional zones. Modern Feminist jurisprudence is evolved from women's empowerment, women's rights and interests. Women's empowerment has remained a contested issue in the complex socio-demographic and cultural milieu of Pakistani society. Indeed, women's empowerment depends upon cultural, social, religious, and legal arrangements, as well as the life opportunities given to them. Modern feminist jurisprudence compelled the social thinkers to review the gender's injustice and women's exploitation. it compelled the think-tankers to introduce to launch research on feminists' arrangements in Pakistan, a Muslim state. Present women movements voiced to revise the women rights in contemporary context. Many works on this subject have been written in English, but Urdu literature is lacking. This research is intended to provoke further research work on the discourse of women's empowerment. The present study is a historical overview of women's empowerment in Pakistan. It aimed to underline feminist jurisprudence and women's empowerment in Pakistan's perspective.

Keywords: *Women's Empowerment, Feminists Jurisprudence, History, Pakistan*

تعارف

معاشرے میں عورت کے خلاف عدم مساوات، جبر وناانصافی، اور استحصال کے تجزیہ کے لئے مختلف تحریکیں اور نظریات وجود میں آئے جن میں فیمینزم کا نظریہ ایک جامع تصور قرار دیا جاتا ہے۔ یہ نظریہ فی الحقیقت مذہبی، تعلیمی، سماجی، سیاسی، اور پیشہ وارانہ سطح پر صنفی مساوات قائم کرنے کے لیے متعارف ہوا۔ اس تصور کا ارتقاء خواتین کی خود مختاری کے نظریہ سے ہوا جسے سیاسی و سماجی تحریکوں اور حقوقِ نسواں کی تنظیموں اور اداروں نے بھی اپنے منشور میں جگہ دی۔ چونکہ بنی نوع انسان کی بقاء ان دونوں کے وجود پر منحصر ہے لہذا کائنات کی تشکیل و تعمیر میں مرد و عورت دونوں کا ذکر ناگزیر ہے۔ ارتقائے حیات میں مرد و عورت کی مساوی شراکت کے باوجود عورت کو دوسرے درجہ کی حیثیت دینا فہم سے بالا تر ہے۔ دنیا کی تمام تہذیبوں نے عورت کو کم تر سمجھا۔ جاگیر دارانہ نظام ہو یا سرمایہ دارانہ ہر ایک نے عورت کا استحصال کیا ہے۔ 17ویں صدی میں حقِ ووٹ سے 19ویں صدی کی تحریکی کوششیں، اور پھر بیسویں صدی میں انسانی حقوق سے موسوم مختلف شکلوں میں خواتین کی خود مختاری کی آوازیں اٹھائی گئیں۔ انہیں تحریکوں کے نتیجہ میں فیمنزم کی اصطلاح وجود میں آئی جو آج جدید سماجیات کا نہایت اہم موضوع قرار دیا گیا ہے[1].

دنیائے تاریخ میں اسلام نے سب سے پہلے عورت کو خود مختاری سے نوازا۔ بدقسمتی سے آج سب سے زیادہ اسلام ہی کو نقد کو سامنا ہے۔ افسوس ہے کہ مذہبی اصلاحی تحریکوں نے عورت کو پہلے سے بھی زیادہ پسماندہ کیا بلکہ عورت کو اپنے زیرِ تسلط رکھنے کے لیے مذہبی تعلیمات کا سہارا لیا جاتا ہے۔ برصغیر میں اسلام کی آمد سے زیادہ انگریز کی آمد سے عورت کو قانونی تحفظ حاصل ہوا۔ انگریز دور میں عورت نے اپنی مسلسل جدوجہد سے برصغیر کی نئی مملکتوں کی دستور ساز اسمبلیوں میں اپنی جگہ بنائی۔[2] گذشتہ ایک سو دس سال سے خواتین کے حقوق کے تحفظ، مسائل کے تدارک، اور استحصال پر مسلسل دن منائے جارہے ہیں لیکن عملاً عورت آج بھی اپنی مساوی حیثیت سے محروم ہے۔ یقیناً معاشرتی احوال میں تبدیلی فطری ہے جب کہ سائنس اور ٹیکنالوجی نے ایک تیز سماجی انقلاب برپا کر دیا ہے جس کے نتیجہ میں عورت قید و بند سے بڑی حد تک آزاد ہوتی چلی گئی ہے۔[3] اس موضوع کی بابت عموماً فیمنزم کے تعارف پر مواد میسر ہے تاہم پاکستان کے اطلاقات کے تناظر میں فقدان ہے۔ فیمنزم کی بابت زیادہ تر مواد انگلش میں ہے لیکن اردو میں ایسی تحقیق کم یاب ہے۔ اس مقالہ میں خواتین کی خود مختاری اور

---

[1] اعجاز الرحمن، تانیثیت اور قرۃ العین حیدر کے نسوانی کردار (دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۲

[2] مبارک علی، تاریخ اور عورت (لاہور، تاریخ پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، اضافہ شدہ ایڈیشن، ص ۴۱۔ ۴۲

[3] ڈاکٹر محمد خاور نوازش، مصباح خان.(2019) تاریخ میں عورت کی معاشرتی حیثیت (ڈاکٹر مبارک علی کی تحریروں کی روشنی میں), تحقیقی جریدہ، جلد 3، شمارہ 1

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

عصری فیمنزم فلسفہ کا جائزہ لیا جائے گا۔ یہ مقالہ ان نظریات کے اطلاقات کا پاکستان کے تناظر میں مطالعہ کرے گا۔ اس میں تاریخی تناظر پر زیادہ توجہ رکھی جائے گی تاکہ مکمل تفہیم حاصل ہو سکے۔

ارتقائی پس منظر

برصغیر میں خواتین کی خود مختاری کے سفر کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1. 1857 سے قبل کا دور
2. 1857 کے بعد کا دور
3. انیسویں صدی کے بعد کا دور

1857 سے قبل کے دور میں خواتین کو روایتی اسلامی علوم و ادب، خانگی زندگی، مذہب اور گھر کی چار دیواری تک محدود تعلیم دی جاتی تھی۔ 1857 کے بعد کے دور میں روایتی اسلامی تعلیم کے ساتھ ساتھ مغربی تعلیم تک رسائی کی آواز اٹھائی گئی اور کئی ایک جرائد ورسائل، اور مکاتب کا بھی اہتمام کیا گیا اور نتیجۃ مذہبی وسماجی نئے مباحث نے جنم لیا۔ اس کے بعد تیسرے دور کا آغاز ہوا جس میں پڑھی لکھی خواتین نے تدریس وتصنیف کے ذریعے عوامی سطح پر خواتین کے حقوق کی آواز اٹھائی۔ یہ امر حقیقت ہے کہ برصغیر میں انیسویں صدی میں خواتین کے حقوق اور صنفی اصلاحات پر غور وفکر شروع ہوا۔[4] صنفی اصلاحات کے لئے سماجی تحریکوں کا آغاز ہوا جن میں خواتین کے حقوق کی فراہمی اور مذہب کی پدرانہ تشریحات پر سوالات اٹھائے گئے۔ سید ممتاز علی سمیت دیگر افراد نے محرک کا کردار ادا کیا اور صحافت کے میدان میں باقاعدہ 1898 میں خواتین کا ہفتہ وار جریدہ "تہذیب النسواں" کا اجراء کیا۔ سید نے خواتین کے حقوق پر کتاب "حقوقِ نسواں" لکھی جس میں پردہ، اسلامی نصاب، نو آبادیاتی مسائل، اور اصلاحات پر بحث کی۔ ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ میں یہ ایک منفرد کتاب تھی۔ صنفی تحریکوں کے نتیجہ میں متوسط اور اعلی طبقے کی خواتین میں سکول اور کالج کی تعلیم کا رجحان بڑھا۔ مزید برآں سیاسی سرگرمیوں میں شرکت بھی بڑھنے لگی اور انجمن خواتین اسلام جیسی تنظیمیں وجود میں آئیں۔[5]

1930ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں مسلم لیگ کے احیاء سے خواتین کے حق رائے دہی، نمائندگی کا تناسب، اور مساوی حیثیت باقاعدہ مسودات کا حصہ بنائی گئی جس کی بڑی مثال گورنمنٹ انڈیا ایکٹ 1935 ہے۔ خواتین کی خود مختاری اور غیر معمولی تشخص پر قائداعظم محمد علی جناح کہا:

‘No nation can rise to the height of glory unless your women are side by side with you; we are victims of evil customs. It is a crime against humanity that our women are shut up within the four walls of the houses as prisoners. There is no sanction anywhere for the deplorable condition in which our women have to live.’ [6]

"کوئی بھی قوم اس وقت تک عظمت کی بلندی پر نہیں چڑھ سکتی جب تک کہ آپ کی خواتین آپ کے شانہ بشانہ نہ ہوں۔ ہم بری رسم ورواج کا شکار ہیں۔ یہ انسانیت کے خلاف جرم ہے کہ ہماری خواتین کو گھروں کی چار دیواری میں قیدی بنا کر رکھا جاتا ہے۔ ہماری عورتوں کو جس افسوسناک حالت میں رہنا پڑتا ہے اس کی کہیں بھی اجازت نہیں ہے۔"

بلاشبہ بیسویں صدی میں انسانی حقوق کے نظریات نے معاشروں کی قانونی وسماجی ساخت کو یکسر تبدیل کر دیا ہے جیسا کہ خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے پر اقوام متحدہ کا کنونشن CEDAW۔[7] خواتین کی خود مختاری کی بابت مؤثر قانون سازی کے لئے صنفی مساوات سے ملحق عصری تحدیات کی تفہیم ناگزیر ہے۔[8] خواتین کی خود مختاری کی تحریکوں میں زیادہ زور تعدد ازدواج، پردہ، مساوی وراثت وغیرہ پر رہا ہے جیسا کہ APWA کا قیام ہوا۔[9] آئین پاکستان کے تحت خواتین کے حقوق کو خصوصی تحفظ حاصل ہے اور حکومت کو خاندان، ماں اور بچہ کے تحفظ کی بابت اقدامات کا فریضہ دیا گیا ہے۔ آئین پاکستان کی دفعات 25، 27، 35، 34، 263 (اے)، اس پر واضح ہیں جیسا کہ سب سے مضبوط آرٹیکل ہے:

‘The State shall protect the marriage, the family, the mother and the child.’ Both of these articles are only the principles of policy, yet to be enacted as the rules of law'

'ریاست شادی، خاندان، ماں اور بچے کی حفاظت کرے گی۔' یہ دونوں آرٹیکل صرف پالیسی کے اصول ہیں، ابھی تک قانون کے قواعد کے طور پر نافذ ہونا باقی ہے۔'

پاکستانی تاریخ میں خواتین کے حقوق اور صنفی اصلاحات پر طویل ارتقائی پس منظر ہے۔ تاہم آئین وقانون کے عدم نفاذ اور کئی ایک منفی قانونی دفعات کی وجہ سے خواتین کو عملاً مسائل کا سامنا ہے جیسا کہ عائلی قانون کا یکساں نہ ہونا، سخت مذہبی تشریحات، شادی وطلاق کی دفعات، کم سنی کی شادی، بچوں کی حضانت وکفالت جیسے مسائل کا سامنا ہے۔[10]

خواتین کی خود مختاری اور زمینی حقائق

1. **قانونی تناظر**

---

[4] Minault, G. 1998, Secluded Scholars: Women’s Education and Muslim Social Reform in Colonial India, Delhi: Oxford University Press

[5] ایضاً۔

[6] Nawaz, B. S. 1976, The Quaid as I knew him, In: Khan, K. (Ed.), Quaid-i-Azam and Muslim Women, Karachi: National Book Foundation

[7] Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination Against Women1979

[8] Ali, Faiza. "Feminist movement and legal framework in Pakistan: implications for equal employment opportunity." In *Australian and New Zealand Academy of Management International conference (20th: 2006)*, pp. 1-16. Central Queensland University, 2006.

[9] All Pakistan Women’s Association

[10] Jahangir, A. 1988, How far are penal laws effective in protecting women, Women Living Under Muslim Laws, Dossier 3, June-July 1988.

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

- مہنگا اور پیچیدہ قانونی نظام
- قانونی امداد تک رسائی کا فقدان
- فوری انصاف کا فقدان
- عدالتی و قانونی پلیٹ فارمز پر جنسی ہراسگی
- عدلیہ و قانون نافذ کرنے والوں اداروں میں خواتین کی کمی

2. **سماجی تناظر**
- پدرانہ نظریات
- صنفی تعصب
- خواتین کی کم شرح خواندگی

فیمنسٹ فلسفہ

فیمنسٹ فلسفہ بنیادی طور پر پدرانہ نظام، مردانہ برتری، صنفی ناانصافی و استحصال، اور خواتین پر بے جا پابندیوں کے خلاف آواز کا نام ہے۔ یہ خواتین کی خود مختاری کا تاریخی وارتقائی سفر ہے۔ فیمنسٹ فلسفہ کی عصری تحریکوں کے بنیادی مقاصد میں سے ایک، عوامی میدان میں خواتین کی شرکت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا تدارک اور اصلاح کرنا ہے۔ بنیادی نکتہ یہ ہے کہ غیر مساوی شہریت دوسرے درجے کی حیثیت رکھتی ہے جسے جائز نہیں ٹھہرایا جا سکتا لہٰذا مساوی شہریت جدید دنیا میں بنیادی حق ہے۔[11] فیمنسٹ فلسفہ جنس و قانون کے باہمی تعلق، اور صنفی ناانصافی واستحصال، عصری نوازل کے تناظر میں اصلاحات پر زور دیتا ہے یہ تصور معاشی و سماجی، سیاسی و قانونی دائرہ کار سے بڑھ کر بین الاقوامی انسانی حقوق بل کہ اب جنسی تعلقات اور تولیدی حقوق میں مساوات تک پھیل چکا ہے۔

'فیمنسٹ' کی اصطلاح "خواتین کی زندگیوں کو کسی نہ کسی طریقے سے "بہتر بنانے سے متعلق تمام اور کسی بھی اقدام کو شامل ہے۔[12] تاحال فیمنزم کی یکساں تعریف موجود نہیں ہے۔[13] عام طور پر مقامی زبانوں میں، خواتین کی تحریک اور خواتین کے حقوق کی تحریک کے جیسی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ عموماً حقوقِ نسواں کو تحریک کو ہی فیمنزم کے متبادل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ خواتین کی خود مختاری پر کام کرنے والوں کو "فیمنزم" اور "فیمنسٹ ایکٹوسٹ" وغیرہ بولا جاتا ہے۔ پاکستان سمیت کسی بھی مقامی زبان میں فیمنزم کے مساوی اصطلاح ناپید ہے۔ نتیجتاً اس کی تفہیم، عملی اطلاقات میں، غلط تعبیر اور تنقید کا سامنا ہوتا ہے جیسا کہ مسلم معاشروں میں اسے مغربی ایجنڈا سے موسوم کیا جاتا ہے۔[14] فیمنسٹ فلسفہ کی سب سے جامع تعریف یہ ہے:

Black's Law Dictionary defined the feminist jurisprudence: a branch of jurisprudence that examines the relationship between women and law, including the history of legal and social biases against women, the elimination of those biases in modern law, and the enhancement of women's legal rights and recognition in society.[15]

2018 سے فیمینزم کی نئی تشریحات نے خاندان، برادری، اور معاشرے کی نجی زندگی، جسم و جنس، تولید تک کو اپنے دائرے میں شامل کر لیا ہے۔ خواتین کی خود مختاری کے سفر میں LGBTQ کے حقوق کا الحاق نئی مذہبی، قانونی، طبی، اور سماجی مسائل کا باعث بن رہا ہے۔ سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے وسیع استعمال نے اس میدان میں نیا انقلاب یعنی سماجی انقلاب برپا کر دیا ہے۔

خواتین کی تولیدی آزادی، اسقاطِ حمل وغیرہ سے ملحق تحفظ کی بنیاد حقِ رازداری یا حقِ آزادی پر قائم کی جاتی ہے۔[16] عورت کا اپنے جسم پر فیصلہ کرنے کا حق صنفی مساوات اور پائیدار ترقی کا بنیادی نکتہ ہے۔ عصری قضایا میں جسم کی حقیقی ملکیت پر بحث کرنے کی بجائے مجازی ملکیت جو مسلمہ ہے اس پر ملکیت کی حدود و ضوابط پر آگاہی کی ضرورت ہے۔ بد قسمتی سے روایتی پس منظر کی بنیاد پر عصری نوازل جیسے جنسی مسائل اور تولیدی صحت سے متعلق مسائل پر گفتگو کرنا غیر اسلامی سمجھا جاتا ہے۔ خواتین کا اپنے جسم سے ملحق حقوق کے استعمال کی حدود و قیود اور عملی احوال پر گفتگو ضروری ہے۔ عالمی تنظیموں کے فیمنسٹ فلسفہ کے نظریات کے تناظر میں معتدل اقدامات ناگزیر ہیں۔ خواتین کی خود مختاری اور جنسی حقوق کے استعمال کی حدود و قیود کے عصری احوال پر سنجیدہ فکر کی ضرورت ہے۔ فیمنسٹ فلسفہ کے مطابق جسم پر آزادانہ حق کے استعمال کے بغیر آزادی کا تصور نامکمل ہے جیسا کہ تولیدی خود مختاری صنفی مساوات کی ایک قابل ذکر مثال ہے۔ خاوند اپنی بیوی کی رضامندی کے بغیر مباشرت قائم کرے تو کیا یہ جبر و اکراہ نہیں ہے جب کہ اس تعلق میں جسمانی صحت، نفسیاتی صحت اور دیگر کئی پہلو شامل ہیں جیسا کہ خاوند کا سفر سے واپسی پر بیوی

---

[11] MacKinnon, C., 2006. *Are Women Human?*, Cambridge: Harvard University Press.

[12] Shaheed, Farida. "The women's movement in Pakistan: challenges and achievements." *Women's Movements in the Global Era, Boulder* (2010): 1-26.

[13] Phillips, Anne. 2002. Does feminism need a conception of civil society? Alternative Conceptions of Civil Society. Ethikon Series in Comparative Ethics. New Jersey: Princeton University Press. 71-89

[14] Negative stereotyping is neither new nor unique to Pakistan, South Asia or Third World countries. (See for example Freeman 1999) Today this may be somewhat less of an issue in the West, but calling oneself a feminist tends to assume more overtly political dimensions in contexts such as South Asia. (Forbes 2003)

[15] Dictionary, Blacks Law. "Blacks law dictionary, 8thedition.

[16] *Planned Parenthood of Southeastern Pennsylvania v. Casey* (505 U.S. 833 (1992))).

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

کو اطلاع کرنے کی حکمتوں میں بیوی کی ذہنی تیاری بھی مضمر ہے۔ عصرِ حاضر میں تولید یا تعدادِ اطفال وغیرہ میں بیوی سے مساوی حیثیت میں رضامندی لی جانی چاہیئے۔ خاتون، مباشرت کے تعلق یا تولیدی عمل میں اپنی جسمانی و ذہنی صحت کو مدِ نظر نہیں رکھ سکتی ہے۔ تولیدی آزادی، اس پر حدود و ضوابط میں ریاست کو بالواسطہ اپنا کردار ادا کرنا چاہیئے۔

پاکستانی معاشرہ

پاکستانی معاشرہ اسلامی نظریہ کی بنیاد کا دعویدار ہے لہٰذا قانون و سماج کی نظر میں نکاح یعنی شادی کے نتیجہ میں بیوی کو مکمل تابع دار قرار دیا جاتا ہے کہ وہ خود کو شوہر کے حوالے کرنے کے بعد اس کی رضامندی کا اختیار ختم یا محدود ہو جاتا ہے۔ حالانکہ شادی شدہ خاتون سے جبری مباشرت کھلا جرم ہے۔[17] صنفی بنیاد پر امتیازی سلوک، خواتین کے خلاف تشدد، اور خواتین کو معاشی اور سماجی بااختیار بنانے کے لیے فوری نوعیت کے اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے عصری تحریکوں نے اجتماعی زندگی میں خواتین کی شراکت و خود مختاری پر کام کرنے کی بجائے خاندان، شادی اور نجی زندگی پر زیادہ توجہ مرکوز کر رکھی ہے۔ خواتین کے عالمی دن پر خواتین کے مارچ میں جنسی بے راہ روی پر مبنی نعرے یقیناً مذہب، قانون اور سماج کے خلاف واضح خطرہ ہیں۔ تاہم اس کے مقابل بے جا مذہبی توہین کے الزام اور تشدد کی حکمت عملی بھی روا نہیں ہے۔ پاکستان ایک مسلم معاشرہ ہے اس میں خواتین کی خود مختاری پر ریلی یا مارچ کا نکلنا اسلامی تعلیمات سے عدم آگاہی اور خواتین کے حقوق کی عملی فراہمی کے معدوم ہونے کا شاخسانہ ہے۔ پاکستان میں خواتین کی خود مختاری سے ملحق قانونی و سماجی مطالعہ کی ازحد ضرورت ہے۔

خواتین کی آزادی، حقوقِ نسواں، صنفی مساوات یا فیمنسٹ فلسفہ سے موسوم کوئی بھی تشکیل ہو اس کی اصل بنیاد خواتین کی خود مختاری کا نظریہ ہی ہے۔ اس کی تفہیم کے لئے درج ذیل سوالات پر مبنی مطالعہ کی اشد ضرورت ہے:

1. عصری فیمنسٹ فلسفہ کا آغاز وارتقاء کیسے ہوا؟
2. خواتین کی خود مختاری کے قدیم تصورات اور عصری فیمنسٹ فلسفہ میں مشترکات و مفترقات کیا ہیں؟
3. پاکستان میں خواتین کی خود مختاری یا فیمنسٹ فلسفہ پر گفتگو کی کیا صورتیں ممکن ہیں؟
4. پاکستان جیسے مسلم ملک میں خواتین کی خود مختاری کے مطالبہ کی عصری صورتیں کیا ہو سکتی ہیں؟
5. کیا عصری فیمنسٹ فلسفہ کے لٹریچر اور عملی نعروں میں عدم مطابقت سیاسی و سماجی پروپیگنڈہ نہیں ہے؟
6. خواتین کا اپنے جسم سے ملحق حقوق کی حدود و ضوابط کیا ہیں؟
7. خاوند اپنی بیوی کی رضامندی کے بغیر مباشرت قائم کرے تو اس کا شرعی، قانونی اور اخلاقی حکم کیا ہے؟
8. کیا بیوی کی رضامندی کے بغیر جبری تولید ممکن ہے؟
9. کیا خاتون مباشرت کے تعلق یا تولیدی عمل میں اپنی جسمانی و ذہنی صحت کو مدِ نظر نہیں رکھ سکتی؟
10. تولیدی آزادی، اس پر حدود و ضوابط میں ریاست کا بالواسطہ تعلق کس حد تک ہے؟
11. عالمی تنظیموں کے فیمنسٹ فلسفہ کے نظریات کے تناظر میں کیا اقدامات ممکن ہیں؟
12. خواتین کی خود مختاری اور سماجی حقوق کی فراہمی میں پاکستانی مقننہ، عدلیہ اور دیگر آئینی اداروں کا کردار کیا ہے؟

نتائج وسفارشات

یہ امر مسلم ہے کہ سوشل میڈیا سے اب دنیا کے تمام خطے مربوط ہیں اور نتیجۃً سماجی و قانونی روایات میں اشتراک ناگزیر ہوتا جا رہا ہے۔ دراصل جدید مسائل پر مذہبی، سماجی، طبی، اور قانونی تفہیم کی ضرورت ہوتی ہے جس پر مذہبی، قانونی، طبی، اور سماجی محققین کی مشترکہ تحقیق ہی درست راہ ہموار کر سکتی ہے۔ مرد و زن کی برابری، عورت کی خود مختاری، فیمنزم یا پھر اس کی بگڑی ہوئی تشکیل عورت مارچ ہو ان سب میں نظریاتی طور پر تو زیادہ اختلاف ممکن نہیں ہے البتہ اس کے نعروں اور موجود بیانیے پر بات ہو سکتی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ عورتوں کے حقوق سے لے کر خواجہ سراؤں کے حقوق کی تحریکوں میں اصل منزل کی بجائے دیگر بیانیے بشمول مذہب، ریاست، اور سماج مخالف بیانیے سامنے آ گئے ہیں۔ دریں حالات چار طرح کی اپروچ کا اطلاق ممکن ہے جن کی نظمِ ترتیب بنائی جا سکتی ہے:

أ. **سوشل اپروچ:** سب سے اہم نہج یہی ہے کہ جملہ نکات پر مذہبی مطالعہ کی کثرت ہے لیکن سماجی و قانونی نوعیت پر مطالعہ کی تشہیر مفقود ہے۔ مثال کے طور پر خاندانی روایات، خاندان کے ادارہ کے تحفظ اور مثالی تعمیر فکر کی ضرورت ہے جو مذہبی و آئینی ذمہ داری بھی ہے۔

ب. **بین الاقوامی و قانونی اپروچ:** معاصر دنیا میں کسی بھی قانون سازی کے عمل میں بین الاقوامی قانونی دستاویزات اور اصطلاحات کو مد نظر رکھنا ناگزیر ہے۔ موجودہ قانونی و عدالتی تناظر میں کسی مارچ یا احتجاج کو روکنا ممکن نہیں ہے جب تک کہ اس پر کوئی ضابطہ اخلاق کی تسوید نہ ہو جائے جس پر عدالتوں نے بھی ہدایات جاری کر رکھی ہیں۔

ج. **میڈیا اپروچ:** یہ نہ صرف ریاست کا ایک مضبوط ستون بل کہ عملی طور پر دیگر ستونوں سے زیادہ مؤثر ستون ہے۔

[17] Khan, Iqra Saleem. "Consent in Marriage: A Radical Feminist Analysis of Pakistani Law." *Wm. & Mary J. Race Gender & Soc. Just.* 26 (2019): 671.

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

Vol.6 No.2 2022

د. **مذہبی اپروچ:** سب سے کلیدی اپروچ یہ ہے کہ اس پر کام نہ ہونے کی وجہ سے بلاوجہ تنقید کا سامنا ہے۔ اس بابت درج ذیل نوعیت کے امور پر معاصر تعبیری تفکر ضروری ہے:
اصطلاحی تعبیر و تعیین جیسا کہ رضامندی، جبر، بلوغت و قانونی عمر میں فرق، امرِ نکاح اور رخصتی میں فرق، کم سن شادی کے عموم و استثناء میں فرق، سوء الاختیار اور خیار البلوغ کے اصول جیسا کہ ولایۃ الاجبار یا ولی و سرپرست کے حقِ ولایت کو اتھارٹی کی بجائے بچوں کے مفاد کا محافظ تعبیر کیا جائے۔

حوالہ جات

1) اعجاز الرحمن، تانیثیت اور قرۃ العین حیدر کے نسوانی کردار (دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۲

2) مبارک علی، تاریخ اور عورت (لاہور، تاریخ پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، اضافہ شدہ ایڈیشن، ص ۴۱۔۴۲

3) ڈاکٹر محمد خاور نوازش، مصباح خان.(2019) تاریخ میں عورت کی معاشرتی حیثیت (ڈاکٹر مبارک علی کی تحریروں کی روشنی میں), تحقیقی جریدہ، جلد 3، شمارہ 1

4) Minault, G. 1998, Secluded Scholars: Women's Education and Muslim Social Reform in Colonial India, Delhi: Oxford University Press

5) Ibid.

6) Nawaz, B. S. 1976, The Quaid as I knew him, In: Khan, K. (Ed.), Quaid-i-Azam and Muslim Women, Karachi: National Book Foundation

7) Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination Against Women 1979

8) Ali, Faiza. "Feminist movement and legal framework in Pakistan: implications for equal employment opportunity." In Australian and New Zealand Academy of Management

9) International conference (20th: 2006), pp. 1-16. Central Queensland University, 2006.

10) All Pakistan Women's Association

11) Jahangir, A. 1988, How far are penal laws effective in protecting women, Women Living Under Muslim Laws, Dossier 3, June-July 1988.

12) MacKinnon, C., 2006. Are Women Human?, Cambridge: Harvard University Press.

13) Shaheed, Farida. "The women's movement in Pakistan: challenges and achievements." Women's Movements in the Global Era, Boulder (2010): 1-26.

14) Phillips, Anne. 2002. Does feminism need a conception of civil society? Alternative Conceptions of Civil Society. Ethikon Series in Comparative Ethics. New Jersey: Princeton University Press. 71-89

15) Negative stereotyping is neither new nor unique to Pakistan, South Asia or Third World countries. (See for example Freeman 1999) Today this may be somewhat less of an issue in the West, but calling oneself a feminist tends to assume more overtly political dimensions in contexts such as South Asia. (Forbes 2003)

16) Dictionary, Blacks Law. "Blacks law dictionary, 8thedition.

17) Planned Parenthood of Southeastern Pennsylvania v. Casey (505 U.S. 833 (1992).

18) Khan, Iqra Saleem. "Consent in Marriage: A Radical Feminist Analysis of Pakistani Law." Wm. & Mary J. Race Gender & Soc. Just. 26 (2019): 671.